Fikr-o-Nasar (Islamabad) 5:3 (1967) © rasailojaraid.com

انتقاد

پاکستانی مسلمانوں کے رسم و رواج

تصنیف شاھد حسین رزّاقی ایم۔ اے (عثمانیہ) ناشر ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ۔ لاہور۔ قیمت سفید کاغذ چھ روپے، اخباری کاغذ چار روپے پچاس پیسے۔

رزّاقی صاحب نے اس کتاب میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں پیدائش، بچپن اور لڑکپن کی تقریبات، نیز شادی اور غمی کے مواقع پر جو رسمیں کی جاتی ہیں، انہیں جمع کیا ہے، کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے دونوں حصّوں کے مسلمانوں، اور اسی طرح برصغیر کے غیر پاکستانی علاقوں کے مسلمانوں میں بھی ان تمام تقریبات اور مواقع کے لیے جو رسمیں پائی جاتی ہیں، وہ کم و بیش باہم ملتی ہیں، اور یہ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کی ایسی رسوم سے کافی مختلف ہیں رسم دراصل وجود میں آتی اور رواج پذیر ہوتی۔ دو محرکات سے، ایک تو اجتماعی ضرورتیں اسے جنم دیتی ہیں اور دوسرا محرک ہوتا ہے لوگوں کے دینی اعتقادات اور قومی و ملّی شعائر اور آیات۔ برصغیر پاک و ہند میں پیدائش، بچپن اور لڑکپن کی تقریبات، نیز شادی بیاہ اور غمی کے مواقع کی جتنی بھی رسمیں ہیں، ان کا ایک عنصر تو ظاہر ہے اسلامی ہے، اور دوسرا عنصر مقامی اور ملکی ہے۔ ثقافت کے دوسرے شعبوں کی طرح رسم و رواج کا یہ شعبہ بھی انہیں دو عناصر سے ترکیب پاتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں جن رسوم کا ذکر کیا گیا ہے، وہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہیں۔ اور وہ اس لیے کہ ان رسموں کا جو اجتماعی محرک تھا، وہ حالات کے بدلنے کی رُو سے ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ مثلاً اب اونچے گھرانے ولیمہ کی دعوت ہوٹلوں میں کرتے ہیں۔ اور منگنی مانجھے، مہندی اور اسی طرح کی دوسری رسمیں بہت کم کی جاتی ہیں اور اگر اسی طرح زندگی بدلتی رہی، تو یہ رسمیں جن کا اس کتاب میں ذکر ہے، بالکل ختم ہو جائیں گی، رزّاقی صاحب نے بڑا اچھا کیا انہیں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب میں مدون کردیا ہے، تاکہ بعد والوں کے لیے یہ بطور ایک تاریخی وثیقہ کے محفوظ رہیں۔

دیہاتی معیشت میں عورت ایک فعال اور کارآمد رکن ہوتی ہے، اور گھر والی کے بغیر نہ گھر بستا ہے، نہ ہل جوتنے والے کو کھیت پر کھانا پہنچتا ہے اور نہ کوئی وہی بلونے والا ہوتا ہے، اس لیے دیہات میں رشتہ لینے کے لیے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے برخلاف شہروں میں عام طور سے لڑکیوں والے لڑکوں کا پیچھا کرتے ہیں۔ دیہات میں جو رشتہ لیتے والے کو رشتہ دینا پڑتا ہے اور جسے "وٹا سٹا" کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے ہے۔

پُرانے معاشرے میں جو اب ختم ہو رہا ہے۔ خوشی اور غمی کی بہت زیادہ رسمیں ہوتی تھیں۔ اور اس کے اپنے اسباب تھے، اس معاشرے میں تفریح، دل بہلانے، غم غلط کرنے اور باہم مل بیٹھنے کے بہت کم مواقع ہوتے تھے، اس لیے رسموں پر بہت زور دیا جاتا تھا اور خاص کر عورتوں کے لیے تو یہی رسمیں ہی تفریح کا سامان بہم کرتی تھیں، چنانچہ ان پر بہت زیادہ زور دیا جاتا رہا، لیکن اب چونکہ باہم مل بیٹھنے اور تفریح کے اور ذرائع پیدا ہوتے جا رہے ہیں، اس لیے خود بخود یہ رسمیں مٹتی جاتی ہیں، اور جب معاشرہ بدلے، تو یہ رسمیں بھی نہیں رہیں گی۔

رزّاقی صاحب نے کتاب کے "تعارف" میں رسموں کے اس تاریخی اور اجتماعی پس منظر کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے، انہوں نے بجا طور پر لکھا ہے، رسوم و رواج مخصوص حالات کی پیداوار ہوتے ہیں۔ خاص حالات میں اور خاص ضروریات کے تحت ایک کام کیا جاتا ہے اور لوگ اس کو حالات و ضروریات کے مطابق مفید پاکے اس پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ یہ عمل رفتہ رفتہ اجتماعی اور پھر روایتی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور آخر کار معاشرہ کی اجتماعی قوت کی بدولت اس کو رسم یا رواج کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے جو کام مخصوص حالات میں مفید ہونے کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اس کا ہر حالت میں مفید ہونا ضروری نہیں ہوتا، اور بسا اوقات حالات میں ایسی تبدیلی ہو جاتی ہے کہ یہ کام کرتے رہنے سے اُلٹا نقصان پہنچ جاتا ہے۔ رسم و رواج کا بالکل یہی حال ہے۔ حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور یہ نہایت ضروری ہے کہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق رسم و رواج میں بھی تبدیلی ہوتی رہے۔ کیونکہ تبدیلی نہ ہونے سے اچھی رسمیں بھی رفتہ رفتہ بُری ہو جاتی ہیں ......

کیا محض وعظ و نصیحت سے لوگوں کو بُری رسمیں ترک کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہے؟ ہمارے خیال میں نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ خود رزاقی صاحب نے لکھا ہے" رسموں کو بدلنے یا ترک کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتی ہے کہ اکثر لوگ بُری رسموں کو بُرا سمجھتے ہی نہیں اور جو لوگ بُرا سمجھتے ہیں وہ بھی ان کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے اور اتنی اخلاقی جرأت تو بہت ہی کم لوگوں میں ہوتی ہے جو بُرائی کو بُرا کہہ کر اسے ختم کرنے کی کوشش کریں"۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر بُری رسموں کا کس طرح انسداد ہو؟ اور بُری رسمیں چونکہ سخت نقصان دہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتی ہیں، اس لیے ان کا انسداد نہایت ضروری ہے۔ رزّاقی صاحب نے اپنی کتاب میں اس مسئلے پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ انہوں نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں مروج بُری رسموں کو غیر اسلامی اثرات کا نتیجہ بتایا ہے۔ اور بقول ان کے "اکبر اور جہانگیر کے عہد میں ہندوستان کی مختلف قوموں میں اتحاد پیدا کرنے کی جو کوششیں ہوئیں، ان کے تحت مقامی رسوم و رواج کو بھی وسیع پیمانے پر اختیار کیا گیا تھا..." لیکن ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ وہ ملک جو سو فیصد مسلمان ہیں اور صدیوں سے مسلمان ہیں۔ وہاں ہم سے بھی قبیح تر، مضر تر اور غیر اسلامی رسمیں کیسے مروج ہوئیں اور اب تک مروج ہیں۔

دراصل ایک معاشرہ جب زوال پذیر ہوتا ہے، تو اس کے اندر جو خرابیاں اچھائیوں کے نیچے دبی ہوتی ہیں۔ وہ اوپر آجاتی ہیں اور وہ معاشرے کی پوری زندگی کو رسموں سمیت متاثر کرتی ہیں۔ اب ان رسموں کی اصلاح صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ اب پرانے معاشرے کو بدلیں اور نئے زمانے اور اس کی ضرورتوں کے مطابق نئے معاشرے کو وجود میں لائیں، ہماری اکثر بُری رسمیں جاگیرداری عہد کی پیداوار ہیں۔ وہ عہد تو ختم ہو گیا، لیکن ہم مسلمانوں میں جاگیرداری ذہن اب تک باقی ہے اس کا عمل دخل ہماری پوری زندگی پر ہنوز جاری و ساری ہے، مشینی زندگی ایک نئے معاشرے کو جنم دیتی ہے، اور جب نیا معاشرہ ظہور پذیر ہوتا ہے، تو پہلی رسمیں از خود مٹتی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر مغربی پاکستان کے شمال مغربی علاقوں کی مسلمان عورتیں برقعوں میں لپٹی ہوئی کراچی پہنچتی ہیں، اور وہاں ان پر زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ وہ برقعوں کو چھوڑ چھاڑ کر بغیر نقاب کے پھرنے لگتی ہیں ہمارے نزدیک بُری اور مضر رسموں کی اصلاح کا سب سے مؤثر طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ذہنوں کو مشینی اور صنعتی زندگی کو اپنانے کے لیے تیار کیا جائے۔ اور اس ضمن میں ان میں جو نفسیاتی مزاحمتیں پائی جاتی ہیں، انہیں دور کیا جائے۔

رزّاقی صاحب نے یہ کتاب لکھ کر اس لحاظ سے بڑی خدمت کی ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں کی اس معاشرتی زندگی کو جو اب رو بہ تغیر ہے، اور جس کا اظہار رسوم و رواج میں ہوتا ہے محفوظ کر دیا ہے۔ شادی بیاہ اور غمی کی یہ رسمیں جن کا ذکر اس کتاب میں ہے، بہت جلد خود اپنی موت مر جائیں گی، کیونکہ ان کے لیے لوگوں کے پاس نہ مالتو پیسہ ہوگا اور نہ فرصت کے اوقات، مشین ساری دنیا کو بدل رہی ہے، اور لاریب وہ ہمیں بھی بدل کر رہیں گی۔

م - س

© rasailojaraid.com